© rasailojaraid.com

مولانا مرغوب الرحمٰن مدظلہ (مہتمم دار العلوم دیوبند)

دینی مدارس کا تاریخی پس منظر

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جب اپنے قیام حرمین شریفین سے ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ء میں وطن مالوف واپس لوٹتے ہیں تو دہلی کا حال بد سے بدتر تھا۔ سلطنت مغلیہ ایک لاشہ بے جان یا شاہ صاحب کے الفاظ میں "لعبہ صبیان" بچوں کا کھلونا بنی ہوئی تھی۔ آئے دن کی ہنگامہ خیزیوں سے دہلی کے عوام اس قدر تنگ آ گئے تھے کہ خود اپنا وجود ان پر گراں گزر رہا تھا' ان وحشت ناک و ہمت شکن حالات نے امام الہند کے اندر یاس و قنوطیت پیدا کرنے کی بجائے ان کے اشہب ہمت کو مہمیز کا کام دیا' انہوں نے کامل دیدہ وری کے ساتھ ماحول کا جائزہ لیا' زوال و انحطاط کے عوامل و اسباب کی چھان بین کی اور زندگی کے ان تمام گوشوں کو متعین کیا جو محتاج اصلاح تھے۔

شاہ صاحب نے مسلم معاشرہ اور مغلیہ سلطنت کے انحطاط و زوال کے اسباب علیحدہ علیحدہ متعین کیے تھے۔ مسلم معاشرہ کے زوال کا سبب ان کے نزدیک مذہبی شعار سے بے اعتنائی اور دینی علوم سے بے تعلقی تھی۔ سیاسی زوال کی بنیاد اقتصادی بگاڑ کو ٹھہرایا تھا۔ حجۃ اللہ البالغہ' تفہیمات الٰہیہ وغیرہ تصانیف سے ان دونوں امور کے متعلق ان کے خیالات کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اس تجویز و تشخیص کے بعد اصلاح کا جامع پروگرام مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ درس و افادہ اور ارشاد و تلقین کے ذریعہ تلامذہ کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے ان کی اصلاحی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کی وفات ۱۱۷۶ھ کے بعد ان کے فرزند شاہ عبد العزیز کو ان کا جانشین بنایا گیا۔ تحریک ولی اللہی کا وہ نہال تازہ جسے امام الہند نے اپنے ہاتھوں نصب کیا تھا' اس جانشین کی تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں سے ایک تناور درخت بن گیا جس کی بہار آفریں شاخیں ملک کے گوشے گوشے تک پھیل گئیں۔

سراج الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا صرف یہی کارنامہ نہیں ہے کہ انہوں نے ولی اللہی تحریک کو جو ابھی تک اعلیٰ طبقوں تک ہی پہنچ سکی تھی' سہل الحصول بنا کر مقبول خاص و عام بنا دیا [illegible] کے ذریعہ رجال کار کی ایک ایسی مستعد و بافیض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت پیدا کر دی جو علم و عمل، اخلاص و للہیت، صبر و استقامت اور جذبہ ایثار و جاں سپاری میں اس مقام بلند و معیار اعلیٰ پر فائز تھی کہ جس خطہ ارض سے گزر گئی اس میں ایمان و یقین اور جہد و عمل کی لہر دوڑ گئی۔ ع

ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی

آہ! تاریخ کا کتنا حسرت ناک المیہ ہے کہ ایک بوڑھے نحیف و نزار، مختلف امراض کے شکار، آنکھوں سے معذور قائد و داعی نے ہر قسم کی مشقتیں برداشت کر کے اپنی شب و روز کی جدوجہد اور دعائے نیم شبی سے قوم و ملت کی اصلاح و فلاح کے لیے مردان باوفا کی ایک جماعت تشکیل کی، اور یہ جماعت جب اس قابل ہو گئی کہ اللہ کی مخلوق کو ظلم و استبداد کے پنجوں سے نکال کر عدل و انصاف فراہم کرے تو خود اپنوں ہی کی بے وفائیوں و چیرہ دستیوں سے بالاکوٹ کے ریگزاروں میں تحلیل ہو گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون

اس موقع پر یہ خیال کرنا کہ سراج الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی وفات اور حادثہ بالاکوٹ کے بعد ولی اللہی تحریک ختم ہو گئی، خلاف واقعہ ہے کیونکہ کسی تحریک کے اصول و منہاج کے مطابق جب تک کام کرنے والے افراد موجود رہتے ہیں، وہ تحریک حقیقتاً زندہ رہتی ہے چنانچہ تحریک ولی اللہی کے اس انتہائی نازک موڑ پر سراج الہند کے جانشین مسند آفاق شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی نے تحریک کی قیادت سنبھال لی اور سراج الہند شاہ عبد العزیز کے دستور کے مطابق انھیں کے مدرسہ میں تعلیم و ارشاد کے ذریعہ ذہنی و فکری تربیت کا سلسلہ شروع کر دیا اور چار سال کی قلیل مدت میں جماعت کو پھر سے منظم کر کے مولانا سید نصیر الدین دہلوی کی امارت میں سرفروشوں کا ایک قافلہ تبلیغ و جہاد کے لیے تیار کر دیا لیکن جب انگریزوں کی جانب سے نگرانی بڑھ گئی اور یہاں رہ کر کام کرنا مشکل ہو گیا تو اپنے خاص تلمیذ استاذ الکل مولانا مملوک علی نانوتوی کی صدارت میں تحریک کی نگرانی کے لیے ایک بورڈ مقرر کر کے خود مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور اپنے ایک دوسرے شاگرد مولانا شاہ عبد الغنی مجددی کو اپنا جانشین بنا کر مدرسہ شاہ عبد العزیز کی مسند تدریس ان کے حوالہ کر دی۔ اس بورڈ کے اہم ارکان میں مذکورہ دونوں بزرگوں کے علاوہ نواب قطب الدین دہلوی صاحب مظاہر حق، مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور امیر الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی شامل تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ میں شاہ عبد الغنی مجددی اور حاجی امداد اللہ قدس اسرارہما نے قائدانہ کردار ادا کیا تھا، اس لیے [illegible] ہجرت کر گئے اور مدرسہ شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبد العزیز اور اکبری مسجد کو جو وابستگان تحریک کی تربیت گاہ کی حیثیت سے معروف تھے، انگریزوں نے تباہ و برباد کرا دیا۔

سقوط دہلی کے بعد مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے لیے مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، دینی علم و علماء کو مٹا دینے کے لیے وحشت و بربریت کی حد کر دی گئی، سرزمین ہند جس پر انہوں نے صدیوں حکمرانی کی تھی، اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ کر دی گئی، مسلم امراء و روسا کی جائدادیں ضبط کر کے انہیں نان شبینہ کا محتاج بنا دیا گیا۔ غرضیکہ ظلم و جبر کی جتنی شکلیں بھی امکان میں تھیں، وہ سب مجبور مسلمانوں پر آزمائی گئیں لیکن خانماں برباد ملت میں ابھی زندگی باقی تھی، سب کچھ لٹ گیا مگر اسلامی کردار باقی تھا، شان و شوکت مٹ گئی تھی مگر دینی غیرت و حمیت محفوظ تھی۔ ان ساری وحشیانہ حرکتوں کے باوجود دین و مذہب اور ملک و وطن کے ساتھ ان کی وفاداریاں بدلی نہ جا سکیں تو شاطر حکمرانوں نے بجائے ظلم و تشدد کے ایک دوسری حکمت عملی تجویز کی، جس کی تفصیل مولوی محمد طفیل علیگ کے الفاظ میں یہ ہے:

> "حقیقی نبض شناس انگریزوں کی تشخیص سے گورنمنٹ ہند کی حکمت عملی (پالیسی) ۱۸۷۰ء میں مسلمانوں کے بارہ میں تبدیل ہوئی اور سمجھ لیا گیا کہ مسلمانوں کو دبا کر اور برباد کر کے انہیں سلطنت کا خیر خواہ اور وفادار نہیں بنایا جا سکتا، چنانچہ سال مذکور میں گورنمنٹ ہند نے مسلمانوں کو جدید طریقہ پر تعلیم دینے کا تہیہ کر لیا۔" (روشن مستقبل ص ۱۲۵)

اس حکمت عملی کے پس پردہ کیا عزائم کارفرما تھے، اسے فاش کرنے اور پالیسی کی اصل حقیقت تک پہنچنے کے لیے ہمیں اور پیچھے لوٹنا پڑے گا یعنی ۱۸۳۴ء کی اس کمیٹی کی روداد کا جائزہ لینا ہوگا جو یہ طے کرنے کے لیے تشکیل دی گئی تھی کہ ہندوستانی طلبہ کو مشرقی زبان میں تعلیم دی جائے، یا انگریزی زبان میں۔ اس کمیٹی کا اجلاس ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کو لارڈ میکالے کی صدارت میں ہوا جس میں صدر اجلاس لارڈ میکالے کے ترجیحی ووٹ پر انگریزی زبان کی تعلیم کا فیصلہ ہوا تھا۔ لارڈ میکالے کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی محمد طفیل علیگ مرحوم لکھتے ہیں:

> "اس فیصلے کی تعریف میں بڑے بڑے راگ الاپے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لارڈ میکالے نے [illegible] عطا کیا، مگر جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امور اس رائے کے محرک تھے ان میں سے ایک اعلانیہ اور دوسرا خفیہ تھا۔

اعلانیہ رائے تو وہ تھی جو انہوں نے اپنی رپورٹ میں ان الفاظ میں دہرائی تھی

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو' اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے' الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔"

لارڈ میکالے کی حقیقی رائے جو ان کے قلب کے اندرونی پردوں کے اندر چھپی ہوئی تھی' وہ تھی جو انہوں نے اپنے والد ماجد کو ایک چٹھی میں لکھ کر بھیجی تھی' اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے۔ کوئی ہندو جو انگریزی دان ہے کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا' بعض لوگ مصلحت کے طور پر ہندو رہتے ہیں مگر بہت سے یا تو موحد ہو جاتے ہیں یا مذہب عیسوی اختیار کر لیتے ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجاویز پر عمل درآمد ہو تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہ رہے گا۔"

(روشن مستقبل ص ۱۵۰' ۱۵۱)

۱۸۷۰ء میں مسلمانوں کے بارے میں حکمت عملی کی تبدیلی اور انہیں جدید طریقہ پر تعلیم دینے کا مقصد اسی مخفی جذبہ کے تحت تھا جس کا ذکر لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں اپنے مذکورہ مکتوب میں کیا تھا۔

چنانچہ اسی پالیسی کے تحت مسلمانوں کی تعلیم پر خاص توجہ دی جانے لگی' مسلمان طلبہ کے لیے وظائف مقرر کیے گئے اور تمام صوبوں نے ابتدائی تعلیم سے لے کر یونیورسٹیوں تک مسلمانوں کے لیے مراعات کا انتظام کیا۔ (روشن مستقبل ص ۱۸)

گزشتہ سطروں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مسلمانوں میں جدید تعلیم کی ترویج کا مقصد وخشا کیا تھا۔ اس موقع پر اس تعلیم کی نوعیت واضح ہو جانا ضروری ہے جس کے لیے مسلمانوں پر وظائف اور مراعات کے دروازے کھول دیے گئے تھے۔ سر ولیم ہنٹر کی ایک تحریر سے یہ امر بھی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ یہ تحریر ولیم ہنٹر نے مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم سے متعلق لکھی تھی' اس طویل تحریر کا ایک ٹکڑا ملاحظہ کیجئے۔

"موجودہ خالص عربی شعبہ کو انگریزی اور عربی شعبہ کر دیا جائے تاکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گورنمنٹ اسکول کا پاس شدہ لڑکا کالج کی اعلیٰ تعلیم سے مستفید ہو سکے۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ ..... شرع محمدی کی باضابطہ تعلیم دی جائے جو سب پر لازم ہو' یقیناً شرع محمدی کو تعلیم کا مقصد نہ بنانا چاہئے کیونکہ شرع محمدی سے مراد مسلمانوں کا مذہب ہے اور مذہب بھی اس زمانہ کا جب کہ اس کے پیرو تمام دنیا کو اپنی جائز شکار گاہ سمجھتے تھے اور انہوں نے زمانہ حال کی مسلمان آبادیوں کی طرح عیسائیوں کے ساتھ اتحاد کر کے یا ان کی رعایا بن کر رہنا نہ سیکھا تھا۔ سردست بجائے شرع محمدی کی روزانہ قواعد کرنے کے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی اور فارسی لٹریچر اور اردو میں مغربی سائنس کی تعلیم دی جائے۔" (روشن مستقبل ص ۱۸۵)

سر ولیم ہنٹر کی اس تحریر سے صاف عیاں ہے کہ یہ جدید طریقہ تعلیم دین ومذہب سے بیگانہ بنانے کی ایک خفیہ سازش تھی' جس پر "تعلیم" کی خوشنما چادر ڈال دی گئی ورنہ شرع محمدی سے یہ گریز کیوں کرتا۔ پھر مسلمانوں میں اس جذبہ نظام تعلیم کو نافذ کرنے کے لیے ابتداء" وہ مقامات منتخب کیے گئے جہاں مذہب کا زور تھا' جہاں کے مسلمانوں کو مذہبی مجنون (آج کل کی مغربی اصطلاح میں بنیاد پرست) اور پشتینی بد خواہ سمجھا جاتا' تاکہ بقول ہنٹر :

"ایک ہی سال میں عام پسند رنگ بدل جائے اور مخالفوں کو اپنا طرفدار بنا لیا جائے۔"

سرسید خان مرحوم نے بھی اپنی مشہور تصنیف "اسباب بغاوت ہند" میں سرکار انگلشیہ سے اس خفیہ سازش کی شکایت کی ہے' وہ لکھتے ہیں :

"سب کو یقین تھا کہ گورنمنٹ علانیہ مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کرے گی البتہ خفیہ تدبیریں کر کے جس طرح عربی اور سنسکرت کو فنا کر دیا' اسی طرح ملک کو مفلس اور جاہل بنا کر اور اپنے مذہب کی کتابیں اور وعظ و تبلیغ کو پھیلا کر نوکریوں کا لالچ دے کر لوگوں کو بے دین کر دے گی۔"

اس جدید نظام تعلیم کے بارے میں مشہور فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی کا یہ تجزیہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ :

"اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستانی نوجوان نہ صرف مشن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسکولوں بلکہ سرکاری مدارس میں جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ عیسائیت کی طرف مائل ہوں گے"

اور بقول خود، اس کا یہ لازمی نتیجہ کچھ دنوں میں برآمد ہو گیا، وہ اس سلسلے میں لکھتا ہے:

"یورپین علوم کا جس قدر چرچا بڑھتا جا رہا ہے، اسی قدر لوگ ہماری تہذیب و تمدن اور ہمارے اصول مذہبی سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں، ہندوستان میں تبلیغ مسیحیت کو کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔" (ترجمہ خطبات گارساں ص ۴۰۷، ۴۰۸)

یہ تھے قوم کے حالات کہ حکومت و سلطنت ایک قصہ پارینہ ہو چکی تھی، جاہ و منصب خواب و خیال بن چکے تھے، دولت و ثروت کے خزانوں پر افلاس و ناداری کا پہرہ تھا، قومی و ملی رہنماؤں کی اکثریت موت کے گھاٹ اتار دی گئی تھی یا جیل کی سلاخوں اور انڈومان کے جزیرے میں محبوس کر دی گئی تھی، قسمت سے بچے کچھے افراد بمقتضائے مصلحت وقت ہجرت کر گئے تھے یا اپنے زاویوں میں روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ اس لاچاری و کس مپرسی میں قوم و ملت کے لیے اگر کوئی سہارا تھا تو وہ صرف ایمان و اعتقاد کا سہارا تھا مگر اب اس پر بھی غارت گران افرنگ ڈاکہ ڈالنے کی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے۔۔

گردش وقت وہ بھی چھین نہ لے
اک تیری یاد کا سہارا ہے

تحریک ولی اللہی کا مرکز "مدرسہ شاہ عبد العزیز" جہاں سے ملت کو علم و معرفت، عزم و حوصلہ اور جرات و استقامت کا درس ملتا تھا، تباہ کیا جا چکا تھا جب کہ ولی اللہی تحریک کی رگوں میں خون اسی مدرسہ سے پہنچایا جاتا تھا۔ شاہ ولی اللہ، شاہ عبد العزیز، شاہ محمد اسحاق اور آخر میں شاہ عبد الغنی مجددی رحمہم اللہ نے اسی مدرسہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا اور اسی میں بیٹھ کر قوم کی علمی، ذہنی، فکری تعمیر و تشکیل کی خدمات انجام دی تھیں۔ سقوط سلطنت اور دہلی کی تباہی کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تو بقول مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ محمد اسحاق کی مرکزی جمعیت نے جو اب حجاز میں مقیم تھی، اور امیر حاجی امداد اللہ کی رہنمائی میں ہندوستان میں کام کرتی تھی، فیصلہ کیا کہ اطراف دہلی میں امام عبد العزیز کے مدرسہ کے نمونہ پر ایک مدرسہ بنایا جائے [illegible] اس تجویز کو عملی جامہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پنپانے کے لیے سات سال تک کوشش کرتے رہے تب کہیں جا کر ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ یعنی ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں سقوط دہلی کے ۹ سال بعد مدرسہ دیوبند کی تاسیس ہو سکی۔

مولانا سندھی کہنا چاہتے ہیں کہ "دار العلوم دیوبند" کا قیام کسی وقتی جذبہ یا محض حوصلہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی تاسیس طے شدہ منصوبہ، اور ایک جماعت کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت عمل میں آئی تھی جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ قیام دار العلوم کے بعد جب شاہ رفیع الدین دیوبندی حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو وہاں سیدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے عرض کیا کہ "ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لیے دعا فرمایئے" حضرت حاجی صاحبؒ نے دلچسپ انداز میں فرمایا:

> "سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے۔ یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا کر، یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ یہ دیوبند کی قسمت ہے، اس دولت گراں قدر کو یہ سرزمین لے اڑی۔" (علماء حق ص ۷۱، ج ۱)

"مدرسہ عربی اسلامی" یعنی دار العلوم دیوبند کے قیام سے حضرت حاجی صاحب کو کس قدر مسرت وشادمانی ہوئی تھی، اس کا اندازہ حجت الاسلام حضرت مولانا نانوتوی اور مولانا یعقوب صاحب رحمہما اللہ کے نام ان کے مکتوب کے درج ذیل اقتباس سے کیا جا سکتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> "واز اجراء مدرسہ علم دین بسعی آں عزیزاں وعزیزم حافظ عابد حسین صاحب چہ خوشی ہا رو نمود کہ بیان نمی آید، خدائے تعالیٰ ایں امر خیر را مدام جاری دارد وساعیاں وباعثاں ایں را جزائے خیر دہد" (مرقومات امدادیہ ص ۴۴)

قیام دار العلوم کے بعد حضرت نانوتویؒ اور ان کے رفقاء کی دوڑ دھوپ سے اسی طرز پر سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم، مراد آباد میں مدرسہ شاہی، گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں منبع العلوم کی تاسیس عمل میں آئی۔ پھر چراغ سے چراغ روشن ہوتے گئے اور ظلمت کدۂ ہند میں علم وعرفان کی ضیاء پاشیاں پھر سے ہونے لگیں۔

یہ ہے "مدرسہ عربی اسلامی دیوبند" یعنی ام المدارس دار العلوم دیوبند کا تاریخی پس منظر، جس سے صاف ظاہر ہے کہ دار العلوم دیوبند اور اس طرز و منہاج پر قائم دینی مدارس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در اصل اسی شجر طوبیٰ کی شاخیں ہیں جسے امام السند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے بافیض مقدس ہاتھوں سے نصب کیا تھا، کہ شرک وبدعت، جہل ومعصیت کی باد سموم سے نڈھال واماندگان راہ اس کے حیات بخش، خنک سائے میں آکر تازگی وتوانائی حاصل کر سکیں۔

کعبہ را ویراں مکن اے عشق کانجا یک نفس
گاہ گاہے واماندگان را راہ منزل می کنند

(بہ شکریہ پندرہ روزہ آئینہ دار العلوم، دیوبند، یکم دسمبر ۱۹۹۴ء)

- -

خطبات ختم نبوت (جلد اول)

مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، چوہدری افضل حقؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، آغا شورش کاشمیریؒ اور تحریک ختم نبوت کے دیگر اکابر کی ایمان افروز تقاریر کا مجموعہ

مرتب: مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی

صفحات ۳۸۴ ○ قیمت ۱۵۰ روپے

ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان

© rasailojaraid.com